قادیانیوں کے بعض دلائل کا علمی جائزہ

(قاضی عبدُ النّبی کوکب)

انکارِ ختمِ نبوت کے فتنے کو تقویت دینے کے لیے قادیانیوں کی طرف سے آئے دن تازہ لٹریچر شائع ہوتا رہتا ہے۔ مگر اس کی تازگی محض طباعتی زیبائش کی جدت تک ہی محدود ہوتی ہے۔ اندر سے مواد وہی نکلتا ہے جس کے تکرار و اعادہ کا سلسلہ برسوں سے جاری ہے۔ قادیانیت کے آغاز ہی سے لوگ دیکھتے چلے آئے ہیں کہ اس کے علمبردار کتاب و سُنّت کی بیّن اور روشن تصریحات سے ہٹ کر، بس چند اقوال و عبارات کی اوٹ میں اپنی کمینگاہ تیار کرتے ہیں۔

پھر جن اقوال و عبارات کو یہ لوگ پیش کرتے ہیں، ان کی بھی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہوتی کہ اُن میں مؤلفین نے مسئلۂ ختمِ نبوت سے مستقلاً بحث کی ہو۔ بلکہ وہ دوسرے مباحث کی جُزوی اور ضمنی حیثیت کی عبارات ہوتی ہیں، جنہیں اکثر و بیشتر سیاق و سباق سے بڑی بے رحمی کے ساتھ کاٹ کر سامانِ دلیل بنا لیا جاتا ہے۔

جب انہیں انکارِ ختمِ نبوت کی گنجائش پیدا کرنے کے لیے آیاتِ قرآنی تو درکنار احادیث و آثار کے ذخیرے سے بھی کوئی واضح اور مستند چیز ہاتھ نہیں آتی تو غیر مستند آثار اور مجروح الاسناد روایات میں سے ہی استدلال کے لیے کوئی سہارا ڈھونڈھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ حدیث و روایت کے نام سے بھی کچھ نہ کچھ تو پیش کیا ہی جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہ لوگ عموماً وہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں حضرت ابراہیم (حضورؐ کے فرزند) کے متعلق یہ الفاظ ملتے ہیں: لوعاش لکان صدیقاً نبیاً۔

ہم اس مضمون میں مذکورہ روایت کی اصل حقیقت سے بھی بحث کریں گے اور علاوہ ازیں قادیانیوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے بعض اُن دوسرے دلائل کا بھی جائزہ لیں گے جو اقوال کی غلط توجیہات

اور بعض صورتوں میں عبارات کی کتربیونت کی پیداوار ہوتے ہیں۔

سب سے پہلے "لو عاش ۔ ۔ ۔" کی مذکورہ روایت کو لیجیے۔ قادیانی اس روایت کو کسی شدومد کے ساتھ پیش کرتے ہیں، اور پھر اس پر استدلال کا قلعہ کس طرح استوار کرتے ہیں، اس کا اندازہ قادیانیوں کے ایک تازہ پمفلٹ "ختمِ نبوت اور بزرگانِ امت" کے اس اقتباس سے ہو سکتا ہے:

"سرورِ کائنات بنفسِ نفیس آیت خاتم النبیین کے نزول کے پانچ سال بعد فرزندِ ارجمند حضرت ابراہیم کی وفات پر فرماتے ہیں "لو عاش لکان صدیقاً نبیاً" کہ اگر میرا بیٹا (ابراہیم) زندہ رہتا تو ضرور صدیق نبی بنتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اگر آپ خاتم النبیین کا مطلب یہ سمجھتے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو آپ فرماتے کہ اگر ابراہیم زندہ بھی رہتا تب بھی نبی نہ ہوتا، کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ گویا آیت خاتم النبیین صاحبزادہ ابراہیم کے نبی بننے میں روک نہ تھی، محض اُن کا وفات پا جانا اُن کے نبی بننے میں روک تھا۔[1]"

("ختمِ نبوت اور بزرگانِ امت" صفحہ ۲)

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جن الفاظ (لو عاش ۔ ۔ ۔ الخ) پر اس "پُرزور" استدلال کی بنیاد رکھی گئی ہے، کیا اُن الفاظ کا حدیث ہونا بھی ثابت ہے؟ اور کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت سندِ صحیح کے ساتھ حضورؐ تک پہنچتی ہے؟ اس سوال کا جواب آپ کو ائمۂ حدیث کے اس فیصلے سے معلوم ہو جائے گا جو انہوں نے

---

[1] کیا قادیانی فضلاء ہمیں سمجھائیں گے کہ حضورؐ نے اُس وقت خاتم النبیین کا کیا مطلب سمجھا تھا جب آپ نے حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا: لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمر بن الخطاب (ترمذی) "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا"؟ اور اُس موقع پر حضورؐ کے ذہنِ مبارک میں خاتم النبیین کا کیا مفہوم تھا جب آپؐ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا: انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (بخاری و مسلم)۔ "میرے ساتھ تمہیں ایسی نسبت ہے جیسی حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کے ساتھ تھی، مگر ہاں: میرے بعد نبی کوئی نہیں ہوگا"؟

[2] تو حضرت عمرؓ کے نبی بننے میں کون سی چیز "روک" تھی؟ (کوکب)

اس روایت کی سند کے بارے میں کیا ہے۔

امام قسطلانی جنہوں نے بخاری کی شرح لکھی ہے اپنی شرح بخاری میں اس روایت کے اسناد پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وعند ابن ماجة ... لما مات ابراهيم .... قال النبی صلی الله عليه وسلم: لو عاش لكان صديقا نبيًا" وفی اسناده ابوشيبة ابراهيم بن عثمان الواسطی وهو ضعيف (باختصار) (قسطلانی ج ۱۰ ص ۴۷۰ مطبوعہ مصر، مطبع میمنیہ۔	اور ابن ماجہ کے ہاں یہ روایت ہے کہ حضورؐ نے اپنے فرزند ابراہیم کے انتقال پر "لو عاش لکان صدیقا نبیاً" فرمایا تھا۔ مگر اس روایت کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی آتا ہے، اور وہ ضعیف ہے۔"

یہ زیرِ بحث روایت جن راویوں کے ذریعے سے نقل ہوئی ہے اُن کا مکمل سلسلۂ سند یہ ہے:

حدثنا عبد القدوس ابن محمد، ثنا داود بن شبيب الباهلی، ثنا ابراهيم بن عثمان، ثنا حکم بن عتيبة، عن مقسم، عن ابن عباس .... (ابن ماجہ الجنائز)	ابن ماجہ نے عبدالقدوس بن محمد سے روایت کی۔ عبدالقدوس نے داؤدؒ بن شبیب باہلی سے۔ داؤد نے ابراہیمؒ بن عثمان سے۔ ابراہیم نے حکمؒ بن عتیبہ سے حکم نے مقسمؒ سے۔ اور مقسم نے عبداللہ بن عباسؓ سے

اس سلسلۂ رُواۃ میں تیسرے نمبر پر ابراہیم بن عثمان (کنیت: ابوشیبہ) واقع ہے۔ جس کے متعلق امام قسطلانی کی رائے اُوپر بیان ہو چکی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی، جن کی سننِ ترمذی حدیث کی صحاحِ ستہ میں شامل ہے، اسی راوی کے متعلق اپنا فیصلہ اِن الفاظ میں دیتے ہیں:

حديث ابنِ عباسٍ حديثٌ ليس اسناده بذالك القوی، ابراهيم بن عثمان هو ابوشيبة الواسطی منكر الحديث	"ابن عباس والی حدیث کا یہ اسناد قوی نہیں۔ یہ ابراہیم بن عثمان وہی ابوشیبہ واسطی ہے جس کی روایت قابلِ قبول نہیں ہوتی۔"

(ترمذی ص ۱۴۲ ۔ الجنائز)

تقریبُ التہذیب میں اس راوی کو متروک الحدیث قرار دیا گیا ہے:

ابراهيم بن عثمان ... ابوشيبة ... مشهورٌ بكنيته متروك الحديث

"ابراہیم بن عثمان، ابوشیبہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور تھا۔ اس کی روایت رد کردی جاتی ہے"

(تقریب التہذیب ص۲۵ نولکشور)

پھر تہذیبُ التہذیب میں تو اس راوی کے بارے میں تقریباً تمام معروف ائمہ حدیث کی آراء درج کردی گئی ہیں:

ابراهيم بن عثمان ... قال احمد و يحيي وابوداؤد ضعيفٌ وقال يحيي ايضًا ليس بثقة وقال البخاري سكتوا عنه وقال الترمذي منكرالحديث وقال النسائي والدولابي متروك الحديث وقال ابوحاتم ضعيفُ الحديث سكتوا عنه وتركوا حديثهٗ وقال الجوزجاني ساقط وقال صالح جزرة، ضعيف لا يكتب حديثه روى عن الحكم احاديث مناكير وقال معاذ بن معاذ العنبري، كتبتُ الى شعبة وهو ببغداد اسألهٗ عن ابي شيبة القاضي اروى عنه؟ فكتب الىّ لا تروِ عنه فانه رجلٌ مذموم۔

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۴۴، ۱۴۵) طبع حیدرآباد دکن

ابراہیم بن عثمان ... امام احمد، یحییٰ اور ابوداؤد نے کہا "ضعیف ہے اور یحییٰ نے تو اسے غیر ثقہ بھی قرار دیا ہے۔ امام بخاری نے کہا "اس کے بارے میں محدثین سکوت اختیار کرتے ہیں (یعنی قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے) ترمذی نے منکرالحدیث کہا ہے۔ نسائی اور دولابی نے متروک الحدیث (جس کی روایت چھوڑ دی جاتی ہے) کہا ہے۔ ابوحاتم نے ضعیف الحدیث کہا، اور بتایا ہے کہ علمائے حدیث اس کے بارے میں سکوت کرتے ہیں، اور اس کی روایت چھوڑ دیتے ہیں۔ جوزجانی نے کہا ساقطُ الاعتبار ہے۔ صالح جزرہ نے کہا "ضعیف ہے، اس کی روایت لکھی نہیں جاتی۔ اس نے حکم سے ناقابلِ قبول روایتیں نقل کی ہیں۔ معاذ عنبری نے کہا "میں نے بغداد خط لکھ کر شعبہ سے پوچھا کیا میں

ابو شیبہ قاضی سے روایت کیا کروں؟ انہوں نے جواب دیا "نہیں اس سے روایت نہ کرنا، یہ ناپسندیدہ شخص ہے۔"

معلوم ہوا امام احمد، یحیٰی، ابوداؤد، امام بخاری، ترمذی، دولابی، ابوحاتم جوزجانی، صالح جزرہ، معاذ عنبری اور شعبہ جیسے علماء حدیث نے ابو شیبہ ابراہیم کو قابلِ قبول قرار نہیں دیا۔ حیرت ہے کہ ان ائمہ کی تصریحات کے باوجود راوی مذکور کی روایت کو بنائے استدلال بنایا جاتا ہے۔ اور اس واضح جرح و قدح کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا جاتا جو اس راوی اور اس کی اس زیرِ بحث روایت پر، علمِ حدیث اور فنِ رجال کی مستند کتابوں میں محفوظ ہے۔

پھر لطف یہ ہے کہ جس ابنِ ماجہ سے مذکورہ روایت نقل کی گئی ہے۔ اس کے اسی صفحے کے حاشیے پر اس روایت اور راوی کا ضعف پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ ابن ماجہ کا امام ابوالحسن سندی کے حواشی والا ایڈیشن ۱۳۱۳ھ میں شائع ہوا تھا۔ اور قادیانیوں کے اس پمفلٹ میں اسی ایڈیشن کے صفحہ ۲۳۷ کے حوالہ سے مذکورہ روایت نقل کی گئی ہے۔ اور اسی صفحہ ۲۳۷ کے حاشیے پر یہ عبارت صاف طور پر موجود ہے:

فی اسنادہ ابراھیم بن عثمان ابوشیبۃ قاضی واسط قال فیہ البخاری سکتوا عنہ وقال ابن المبارك ارم بہ وقال ابن معین لیس بثقۃ، وقال احمد منکر الحدیث وقال النسائی متروك الحدیث۔

(ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۳۷، حاشیہ کی سطر ۲۹ و ۳۰)

اس روایت کی سند میں ابراہیم بن عثمان، ابو شیبہ قاضی واسط واقع ہے جس کے بارے میں امام بخاری نے کہا: محدثین اس شخص کے متعلق سکوت کر جاتے ہیں (یعنی ناقابلِ قبول ہے)، ابن مبارک نے کہا: اس شخص کو رد کر دو۔ ابنِ معین نے کہا "یہ ثقہ نہیں ہے۔" امام احمد نے کہا: "اس کی روایت مانی نہیں جاتی" اور امام نسائی نے فرمایا "اس کی روایت ترک کر دی جاتی ہے۔"

اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آیا یہ تحقیق کا کمال ہے؟ یا دیانتداری کا؟ کہ قادیانی مضمون نگاروں کو، ایک کتاب کے ایک صفحے پر درج ہونے والی ایک روایت تو دکھائی دیتی ہے، مگر اسی صفحہ پر اس روایت کے متعلق جو تنقیدی نوٹ لکھا گیا ہے وہ ان کے نوٹس میں نہیں آتا۔

سننِ ابن ماجہ کا ایک نیا ایڈیشن مصر سے ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا جسے محمد فؤاد عبدالباقی نے مرتب کیا تھا۔ اس نے احادیث پر نقد و تخریج کا کام بڑی محنت سے کیا ہے۔ اس نے بھی مذکورہ روایت کے ماتحت اوپر والے تنقیدی نوٹ کو لفظاً بلفظ نقل کیا ہے۔ دیکھیے ابن ماجہ مطبوعہ مصر ص ۴۸۴، ج ۱۔

اس روایت کی سند کے حق میں بڑی سے بڑی تائید ملا علی قاری کی پیش کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے اس روایت کو صحیح مانا ہے۔ لیکن یہاں دو باتیں مدنظر رکھنی ضروری ہیں۔ پہلی یہ کہ ملا علی قاری نے دیگر ائمہ حدیث کی آراء پہلے بیان کر دی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بتلایا ہے کہ نووی اور ابن عبدالبر جیسے عظیم امام اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ اور اس کے بعد اپنی ذاتی رائے بیان کی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک ملا علی قاری اس روایت کے حق میں رائے دیتے ہیں۔ اور کوئی شخص اُن کی اس رائے کو باقی تمام ائمہ حدیث کے فیصلے پر ترجیح دینا چاہتا ہے تو کم از کم اُسے اِس روایت کا وہ مطلب اور منشا بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے جو ملا علی قاری نے اس روایت کی تشریح میں بیان کیا ہے۔ ملا علی قاری اس روایت کو اپنی کتاب "موضوعات" میں درج کرنے کے بعد جہاں اس کے ضعفِ اسناد سے بحث کرتے ہیں وہاں اس کی معنوی تشریح بھی ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

ویشیر الیه قوله تعالیٰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ، فانه یومی الیه بانه لم یعش له ولد الی مبلغ الرجال فان ولده من صلبه یقتضی ان یکون لب قلبه کما یقال الولد سر ابیه ولو عاش

"اور اسی (روایت) کی طرف یہ فرمانِ ربانی بھی اشارہ کرتا ہے ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ پس اشارہ یہ ہے کہ حضورؐ کی اولادِ نرینہ اس لیے زندہ نہ رہی کیونکہ آپ کا صلبی بیٹا زندہ رہنے کی شکل میں عقل کا تقاضا یہ ہوتا کہ وہ آپ کا مکمل پرتو بنے۔ جیسے کہا جاتا ہے

وبلغ اربعین وصار نبیاً لزم ان لا یکون نبیّنا خاتم النبیین۔ (موضوعات کبیر صہ ۹۹، ۱۰۰)	بیٹا اپنے باپ کے مانند ہوتا ہے۔ اور بالفرض اگر بیٹا زندہ رہتا، اور چالیس سال کی عمر کو پہنچکر نبی بنتا تو لازم آتا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم النبیین نہ ہوں۔"

ہماری اُوپر کی گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ "لو عاش لکان صدیقا نبیاً" کی روایت ائمۂ حدیث کے فیصلے کے مطابق قطعاً ناقابلِ قبول ہے۔ اور اگر ایک ملّا علی قاری سے اس کی صحت کا قول منقول ہُوا ہے تو اُن کے نزدیک بھی اس روایت میں اُس مفہوم کی کوئی گنجائش نہیں جو قادیانی حضرات اس سے نکالنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس ملّا علی قاری کی عبارتِ بالا کے مطابق یہ روایت بھی ختمِ نبوت کے اُسی اعتقاد کی تائید کرتی ہے جو ساری اُمّت میں مسلّم اور متفق علیہ چلا آیا ہے۔

مُلّا علی قاری کی عبارت

ملّا علی قاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "موضوعاتِ کبیر" میں روایت "لو عاش لکان صدیقاً نبیاً" پر ایک طویل اور مفصّل بحث لکھی ہے۔ جس کا کچھ اقتباس سطورِ بالا میں گذر چکا ہے۔ اس طویل مبحث میں ملّا علی قاری نے اصلِ مسئلہ کے متعلق جو باتیں بڑی وضاحت کے ساتھ کہی ہیں، جن سے خود ملّا علی قاری کے عقیدۂ ختمِ نبوت پر روشنی پڑتی ہے، اُن سب کو نظر انداز کرتے ہوئے قادیانی حضرات نے اپنے اس پمفلٹ میں صرف مبحث کے آخر سے چند سطریں اٹھائی ہیں، اور انہیں حسبِ ذیل اردو ترجمے کا لباس پہنا کر، اپنے دلائل کی صف میں کھڑا کر دیا ہے:

"یعنی اگر صاحبزادہ ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے، اور اسی طرح حضرت عمر نبی بن جاتے۔ تو آں حضرت کے متبع یا اُمتی نبی ہوتے"... الخ

یہاں پہلی بات یہ ہے کہ عربی عبارت کے ترجمے اور اقتباس میں ایک طرح کا ناجائز تصرّف کیا گیا ہے مثلاً "یعنی" کا لفظ یا اس کے مفہوم کو ادا کرنے والا کوئی لفظ اصل عبارت میں نہیں ہے۔ اُردو ترجمے میں

یہ لفظ مترجم نے اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔ اصل عربی عبارت یوں ہے:

قلتُ ومع هٰذا لو عاش ابراهيم ... ... الخ (موضوعات کبیر ص۵۹)

"میں اس اوپر والی گفتگو کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر بالفرض ابراہیم زندہ رہتے"... الخ

سوال یہ ہے کہ اس عبارت میں سے کس لفظ کا ترجمہ "یعنی" کیا گیا ہے۔ "یعنی" کا اضافہ کر کے عبارت کی حیثیت کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو عبارت کلمۂ "یعنی" سے شروع ہو رہی ہو اس کے بارے میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ کسی کلام کے لیے تشریحی عبارت کی حیثیت رکھتی ہو گی۔ لیکن مذکورہ عبارت تشریحی حیثیت ہرگز نہیں رکھتی۔ اس کی حیثیت محض ایک عقلی احتمال کی ہے جسے مؤلف نے لفظ "لو" (بالفرض) سے بیان کیا ہے۔ اس لیے اس عبارت میں "یعنی" کا کلمہ داخل کرنا یقیناً صریح زیادتی ہے۔

پھر "وَمَعَ هٰذا" (اور اس کے باوجود، مزید برآں) کے الفاظ کا ترجمہ چھوڑ جانا، عبارت کی حیثیت کے متعلق غلط تاثر دینے کے لیے ایک اور ناجائز تصرف ہے۔ کیونکہ کسی عبارت کے آغاز پر اس نوعیت کے الفاظ یہ پتہ دیتے ہیں کہ اصلِ بحث اوپر گزر چکی ہے، اور اب اختتامِ مبحث پر ایک ضمنی احتمال کا مزید ذکر کیا جا رہا ہے ــــ لہٰذا زیرِ بحث عبارت کے متعلق علمی دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ یا تو اقتباس اُوپر کے کسی ایسے مقام سے شروع کیا جاتا، جہاں سے اصلِ مبحث کی ٹھیک نشاندہی ہو جاتی۔ اور یا پھر کم از کم عبارت کے سیاق و سباق کی روشنی میں اوپر کے مبحث کا لُبِّ لباب اس حد تک تو بیان کر دیا جاتا کہ جس سے مؤلف کا اصل مدعا سمجھنے میں غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان نہ رہتا۔ اس ٹکڑے کو یوں کاٹ کر درج کرنے سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، اس کا اندازہ تبھی ہو سکتا ہے جبکہ اس بحث کی عبارت کو ذرا اُوپر سے پڑھا جائے۔ اس لیے یہ عبارت دوبارہ پیش کی جاتی ہے:

ويشير اليه قوله تعالى مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فانّه يومى اليه بانّه لم يعش له ولدٌ الى مبلغ الرّجال، فانّ ولده

اور اسی روایت (لو عاش...) کی طرف یہ فرمانِ ربانی بھی اشارہ کرتا ہے: "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" پس اس کا اشارہ یہ ہے کہ حضورؐ کی اولادِ نرینہ

من صُلبه يقتضى ان يكون من لب قلبه كما يقال الولد سرّ ابيه ولو عاش وبلغ اربعين وصار نبيًّا لزم ان لا يكون نبيُّنا خاتم النبيين . . . . .

(موضوعاتِ کبیر)

اس لیے زندہ نہ رہی، کیونکہ آپ کا صُلبی بیٹا زندہ رہنے کی صورت میں عقل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ آپ کا پرتَو بنتا جیسے کہا جاتا ہے بیٹا اپنے باپ پر جاتا ہے۔ اور اگر بیٹا زندہ رہ کر چالیس برس کی عمر کو پہنچتا اور نبی ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم النبیین نہ رہتے"۔ . .

یہاں ملّا علی قاری نے روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ چونکہ ہمارے حضورؐ خاتم النبیین تھے اس لیے آپ کے فرزند حضرت ابراہیم انتقال فرما گئے۔ کیونکہ اگر وہ زندہ رہ کر چالیس برس کی عمر تک پہنچتے تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ بیٹا باپ کا عکس بنتا۔ لہٰذا انہیں نبی ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس صورت میں حضورؐ خاتم النبیین نہ رہتے۔ اس لیے مشیّت کا فیصلہ یہ تھا کہ ابراہیم چھوٹی عمر میں ہی انتقال فرما جائیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملّا علی قاری بھی خاتم النبیین کا وہی مفہوم سمجھتے ہیں جو باقی تمام اُمّت نے سمجھا ہے۔ اب یہ عبارت جو ہم نے اوپر پیش کی ہے اُس عبارت سے صرف دو تین سطریں پہلے واقع ہے جسے قادیانی پیش کرتے ہیں۔ مگر وہ اس عبارت کو یک قلم نظر انداز کر جاتے ہیں اور آخر بحث سے ایک ضمنی احتمال والی عبارت کو لیکر شوقِ استدلال پُورا کر لیتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ملّا علی قاری کی یہ ضمنی گفتگو بھی محض اس بنیاد پر ہے کہ وہ لو عاش . . . کی روایت کو صحیح سمجھ کر اس کی توجیہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ جمہور ائمۂ حدیث نے اس روایت کو ناقابلِ قبول قرار دیا ہے۔ اور جس راوی کے ذریعے سے یہ روایت نقل ہوئی ہے اُسے علماءِ حدیث نے غیر ثقہ، منکر الحدیث اور "رجل مذموم" تک کہا ہے۔ لہٰذا جب اصلِ روایت کا وجود ہی ثابت نہیں ہوتا تو پھر اس کی توجیہ و توضیح کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے اس لیے علمی اور اصُولی لحاظ سے دیکھا جائے تو ملّا علی قاری علیہ الرحمہ کی محولہ بالا عبارت سے کوئی ادنیٰ نوعیت کا استدلال بھی نہیں کرنا چاہیے، چہ جائیکہ ختمِ نبوت جیسے اہم اعتقادی اور بنیادی مسئلے میں اس جیسی عبارت کو دلیل بنایا جائے۔